غلط فہمیاں

غلط فہمیاں

وکلف اے سنگھ

ġhalat-fahmiyāṅ

Misconceptions

by W.A. Singh; rev. by D. Becht

(Urdu—Persian script)

© 2019 MIK

published and printed by

Good Word, New Delhi

for enquiries or to request more copies:

askandanswer786@gmail.com

عرض

عیسائی مذہب کے بارے میں کافی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اِس کتابچے میں چند ایک کو دُور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عرض ہے کہ قاری سنجیدگی سے اِس پر غور کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ جو غیر جانبدارانہ نظر سے اِس کا مطالعہ کرے اُس پر تمام سچائی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی۔

1 پہلی غلط فہمی

عیسائیت ایک غیرملکی مذہب ہے یعنی یورپ سے آیا ہے۔

تاریخ کے اوراق سے ظاہر ہے کہ کُل انبیائے کرام ایشیا میں پیدا ہوئے۔ حضور المسیح مشرقِ وسطیٰ کے ملک فلسطین میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ تمام دنیا میں انجیل جلیل کا جاں فزا پیغام پہنچائیں۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ

> پوری دنیا میں جا کر تمام مخلوقات کو اللہ کی خوش خبری سناؤ۔
>
> (انجیلِ جلیل، مرقس 15:16)

چنانچہ شاگرد دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔ لوگ جوق در جوق ایمان لائے۔ نہ صرف مغربی ممالک کے لوگ ایمان لائے بلکہ مشرقی ممالک مثلاً

ترکی، عراق، ایران، مصر، ہندوستان، چین اور افریقہ میں بھی متعدد جماعتیں قائم ہوئیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برِصغیر میں عیسائیت کا سہرا حضور المسیح کے شاگرد حضرت توما کے سر ہے۔ روایت ہے کہ وہ پہلی صدی عیسوی میں ہندوستان تشریف لائے اور متعدد جماعتیں قائم کیں۔ آخر میں اُنہوں نے چینائی کے قریب شہادت پائی۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پہلی صدی عیسوی میں ہندوستان میں حضرت عیسی کے پیروکار آباد تھے اور کہ وہاں جماعتیں پائی جاتی تھیں۔

غالباً اِس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو اُنہوں نے بھی اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دی۔ تب لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ عیسائیت انگریزوں کی طرف سے ہے۔ لیکن یہ خیال حقائق اور تاریخ کی روشنی میں سراسر غلط ہے۔ عیسائیت ایشیائی مذہب ہے، اور ہندوستان میں حضرت عیسیٰ پر ایمان کی جڑیں یورپی اقوام کی آمد سے صدیوں پیشتر موجود تھیں۔

2 دوسری غلط فہمی

> وہ تمام لوگ جو عیسائی کہلاتے ہیں حضور المسیح کے شاگرد ہیں۔

لازم نہیں کہ جو عیسائی کہلائے وہ درحقیقت حضرت عیسیٰ کا پیروکار ہو۔ سچا عیسائی وہی ہے جو انجیل جلیل کے پیغام پر ایمان لا کر اُس پر عمل کرتا ہے۔ ایسے شخص نے یہ قبول کیا ہے کہ حضور المسیح مجھ جیسے گناہ گار کو نجات دینے کے لئے اِس دنیا میں آئے۔ یہ قبول کرنے کے بعد اُس کی زندگی میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ پہلے وہ گناہ سے پیار کرتا تھا، مگر اب وہ اُس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ بے شک اُس سے گناہ سرزد تو ہوتا ہے، لیکن اب وہ اللہ تعالیٰ سے اُس کی معافی مانگتا ہے اور آئندہ اُس سے بچنے کا عہد کرتا ہے۔ پہلے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتا تھا، مگر فرض سمجھتے ہوئے۔ اب وہ دل و جان سے اُس کی پرستش کرتا، اُس سے سچی محبت رکھتا اور اِس کا اظہار اپنے چال چلن سے

کرتا ہے۔ اب وہ بدی کے عوض بدی نہیں کرتا بلکہ نیکی کے درپے رہتا ہے۔ حضور المسیح کے سچے شاگردوں کی یہی نشانی ہے۔

اکثر لوگ جو عیسائی کہلاتے ہیں درحقیقت عیسائی نہیں ہیں۔ اُن کی بُری اور گناہ آلود زندگیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا حضور المسیح سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ حضور المسیح کے شاگرد ہرگز نہیں ہو سکتے۔ لازم ہے کہ ہم حقیقی عیسائیوں میں جو کہ تعداد میں تھوڑے ہیں اور نام نہاد عیسائیوں میں امتیاز کریں چاہے وہ یورپین، امریکن یا مشرق کے باشندے ہی کیوں نہ ہوں۔

3 تیسری غلط فہمی

کتابِ مقدّس میں تحریف اور ردّ و بدل ہو چکا ہے،
یہاں تک کہ وہ اصل کتابِ مقدّس نہیں رہی جو اللہ
تعالیٰ نے آسمان سے نازل کی تھی۔

کتابِ مقدّس میں کسی قسم کی تحریف نہیں کی گئی اور نہ اِس کی کوئی اجازت ہی ہے۔ البتہ سہوِ کاتب کا اِمکان ہو سکتا ہے جو ہر ایک کتاب میں پایا جاتا ہے خواہ وہ آسمانی ہو یا دنیاوی۔ ہم اِتنے وثوق کے ساتھ یہ کیوں کہہ سکتے ہیں؟

کلام مقدس میں تحریف کی سخت ممانعت

کوئی بھی یہودی یا عیسائی تحریف کی جرأت نہیں کرسکتا، کیونکہ توریت سختی سے فرماتی ہے کہ

> جو احکام مَیں تمہیں سکھاتا ہوں اُن میں نہ کسی بات کا اضافہ کرو اور نہ اُن سے کوئی بات نکالو۔ (استثنا 2:4)

صدیوں بعد حضرت سلیمان فرماتے ہیں،

> اُس کی باتوں میں اضافہ مت کر، ورنہ وہ تجھے ڈانٹے گا اور تُو جھوٹا ٹھہرے گا۔ (صحائفِ حکمت و زبور، امثال 6:30)

اور یسعیاہ نبی فرماتے ہیں،

> تمام انسان گھاس ہی ہیں، اُن کی تمام شان و شوکت جنگلی پھول کی مانند ہے۔... لیکن ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم رہتا ہے۔ (یسعیاہ 40:6-8)

حضور المسیح نے خود فرمایا کہ

> آسمان و زمین تو جاتے رہیں گے، لیکن میری باتیں ہمیشہ تک قائم رہیں گی۔ (متی 35:24)

اور انجیل جلیل کے آخر میں تنبیہ کی جاتی ہے کہ

> اگر کوئی اِس کتاب میں کسی بھی بات کا اضافہ کرے تو اللہ اُس کی زندگی میں اُن بلاؤں کا اضافہ کرے گا جو اِس کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔ اور اگر کوئی نبوّت کی اِس کتاب سے باتیں نکالے تو اللہ اُس سے کتاب میں مذکور زندگی کے درخت کے پھل سے کھانے اور مُقدّس شہر میں رہنے کا حق چھین لے گا۔ (مکاشفہ 22:18-19)

قرآن شریف بھی کتابِ مقدّس کے ہم زبان ہو کر اعلان کرتا ہے کہ

> وَلا مُبَدِّلَ لِكَلِماتِ اللَّهِ
> کوئی بدلنے والا نہیں اُس کی باتیں
>
> (سورۃ الانعام آیت 34)

اور

> لا تَبديلَ لِكَلِماتِ اللَّهِ
> اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ (سورۃ یونس آیت 64)

اِن فرمودات کے پیشِ نظر کیا کوئی انسان اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل سکتا ہے؟

خالہ کی مثال

نسخوں کی صحت کو سمجھنے کے لئے فرض کرو کہ آپ کی خالہ نے ایک اعلیٰ قسم کی مٹھائی ایجاد کی ہو۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سماتی بلکہ اِس کا نسخہ ہاتھ سے لکھ کر اپنی تین سہیلیوں کو بھیج دیتی ہے۔

کچھ مہینوں کے بعد خالہ بیٹے کی سال گرہ پر مٹھائی بنانا چاہتی ہے۔ جب مٹھائی کا نسخہ نکالتی ہے تو اُسے صدمہ پہنچتا ہے: دیمک نسخے کے اکثر حصے کو کھا گئی ہے۔ خالہ کہتی ہے، "کوئی بات نہیں، مَیں اپنی سہیلیوں سے نسخہ منگواتی ہوں۔" افسوس، جواب ملتا ہے کہ سب کی سب نقلیں گُم ہو گئی ہیں۔ لیکن سہیلیاں اُسے تسلی دے کر کہتی ہیں، "فکر مت کرو۔ ہم تینوں نے نسخے کو نقل کر کے اپنے واقف کاروں میں تقسیم کیا ہے۔ اُن ہی سے ہم یہ نقلیں جمع کریں گی۔"

مل ملا کر 25 نسخے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اب جب سہیلیاں اِن کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتی ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ صرف 22 نسخے ایک جیسے ہیں۔ 3

میں تھوڑا بہت فرق آ گیا ہے: ایک میں "مِکس کر کے پیسنا" جبکہ دوسرے میں "پیس کر مِکس کرنا" لکھا ہے۔ تیسرے میں ایک اَور مسالے کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اب خالہ کیا کرے گی؟ کیا وہ اصل نسخہ معلوم کر سکے گی؟ بے شک۔ کیونکہ وہ نسخوں کا مقابلہ کر کے تبدیل شدہ نسخوں کو ٹھیک کر سکتی ہے۔

مجموعی طور پر عالموں نے یہی طریقہ کتابِ مقدّس کے قدیم نسخوں پر غور کرتے وقت کیا۔

نسخوں کی تعداد اور قدامت

ہم کسی نسخے کی اصل شکل کس طرح معلوم کر سکتے ہیں؟ یہ معلوم کرنا دو باتوں پر مبنی ہوتا ہے۔

- نقل کئے گئے نسخوں کی کیا تعداد ہے؟ کیا 2 یا 100 نسخے موجود ہیں؟ جتنے زیادہ نسخے ہیں اُتنا ہی آسانی سے اصل کا پتہ لگا سکتے ہیں۔
- نسخے کتنے پرانے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جو نسخے اصل کے عین بعد وجود میں آئے، وہ سب سے قابلِ اعتبار ہیں۔

غرض، جتنے قدیم اور تعداد میں زیادہ نسخے ہوتے ہیں اُتنے ہی آسانی سے اصل کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

دیگر تاریخی نسخوں کی حالت

قدیم زمانے کے جو تاریخی نسخے موجود ہیں اُن کی کیا حالت ہے؟ اکثر کتابوں کے نسخے تھوڑے ہی ہیں، اور جو تاریخی نسخے موجود زمانے میں ملتے ہیں وہ کئی صدیوں کے بعد مرقوم ہوئے۔ یوں یوسیفس کی تاریخ ”یہودی جنگ“[a] کے صرف 9 مکمل نسخے ہیں، اور وہ 4 صدیوں کے بعد ہی مرقوم ہوئے۔[b] کئی ایک قدیم تاریخی کتابوں کے صرف چند ایک نسخے دست یاب ہوئے ہیں اور وہ بھی ہزار سال کے بعد ہی لکھے گئے، مثلاً ہیروڈوٹس کی تاریخ[c] (10 نسخے)، جولیئس سیزر کی تاریخ ”گال کی جنگیں“ (8 نسخے) وغیرہ۔[d] تو بھی علما اِن کو قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں۔

[a] Josephus, *The Jewish War.*

[b] Paul Barnett, *Is the New Testament History?* (Ann Arbor, 1986), 45.

[c] Herodotus, *History.*

[d] Julius Caesar, *Gallic Wars*; Metzger, B.M., *The Text of the New Testament* (New York/Oxford,1968), 16f;34.

انجیل جلیل کی صحت

قدیم نسخوں کی تصدیق

اِن کے مقابلے میں انجیل شریف کے نسخوں کی تعداد حیرت انگیز ہے۔ حال ہی میں قدیم زمانے کے 5,686 الگ الگ یونانی نسخے موجود ہیں۔[a] اِن میں سے تین نسخے مرکزی اہمیت رکھتے ہیں: نسخۂ اسکندریہ[b] پانچویں صدی کے شروع میں، نسخۂ سینہ[c] 340ء میں اور نسخۂ ویٹیکن[d] 325-350ء میں وجود میں آیا۔

لیکن کچھ نسخے اِن مجموعوں سے بھی قدیم ہیں۔ چیسٹر بیٹی پپائرس جس میں انجیل جلیل کا اکثر حصہ شامل ہے 250ء میں مرقوم ہوا ۔[e] باڈمر پپائرس میں یوحنا کی انجیل کا اکثر حصہ 200ء میں یا اِس سے قبل مرقوم ہوا۔[f] قدیم نسخوں میں

---

[a] N. Geisler/P. Bocchino, *Unshakeable Foundations*, (Minneapolis [MN], 2001) p. 256.

[b] Codex Alexandrinus.

[c] Codex Sinaiticus; Geisler/Nix, 392.

[d] Codex Vaticanus; Geisler/Nix, 391.

[e] Chester Beatty Papyrus II; Geisler/Nix, 389f.

[f] Bodmer Papyrus II; Metzger, 39f.

سے ایک اہم گواہ مصر کا رائلینڈز پپائرس نمبر 457 ہے۔ یوحنا 18:31-33 کا یہ ٹکڑا تقریباً 117ء میں مرقوم ہوا۔[a]

مطلب ہے کہ یوحنا کی انجیل کی تصنیف کے زیادہ سے زیادہ 30 سال بعد یہ انجیل کم ازکم مصر تک پہنچ گئی تھی۔

غرض قدیم زمانے کی دیگر تصانیف کی نسبت نسخوں کی تعداد اور قدامت نہایت حیرت انگیز ہے۔ لیکن اِن گواہوں کے علاوہ حال کی کتابِ مقدّس کی قابلِ اعتبار حالت دو اَور طریقوں سے ثابت ہوئی ہے۔

قدیم ترجموں کی تصدیق

ابتدا ہی میں کتابِ مقدّس کا ترجمہ لاطینی، قبطی، اَرامی، آرمینیائی اور جارجیائی وغیرہ زبانوں میں ہوا۔ اِن کے آج تک 19,000 سے زائد قدیم نسخے موجود ہیں۔

ابتدائی بزرگوں کی تصدیق

نہ صرف یہ بلکہ قدیم جماعتوں کے بزرگوں نے جو کتابیں لکھیں اُن میں بہت سارے حوالہ جات پائے جاتے ہیں۔[b] اِتنے ہیں کہ اگر کتابِ مقدّس کے

[a] Rylands Papyrus 457; Geisler/Nix, 388.

[b] Barnett, 44; 46f.

تمام نسخے نہ ہوتے تو ہم تقریباً پوری انجیل جلیل کو اِن حوالہ جات سے مرقوم کر سکتے۔[a]

توریت و زبور کی صحت

قدیم نسخوں کی تصدیق

اِس طرح انجیل جلیل سے پہلے لکھے گئے صحائف بھی سو فی صد قابلِ اعتبار ہیں۔ دنیا کی مختلف لائبریریوں اور عجائب خانوں میں 10,000 سے زائد قدیم نسخے محفوظ ہیں جو 500ء سے لے کر 1000ء تک مرقوم ہوئے۔ سب سے پرانے نسخے بحیرۂ مُردار کے قریب پائے گئے۔ یہ قدیم ترین نسخے 300 قبل از مسیح سے لے کر 100ء تک مرقوم ہوئے۔ اِن میں آستر کی کتاب کے سوا توریت، تاریخی صحائف، حکمت و زبور کے صحائف اور صحائفِ انبیا کی تمام کتابوں کا کوئی نہ کوئی حصہ شامل ہے۔ حیران کُن بات یہ ہے کہ یسعیاہ نبی کی پوری کتاب کا نسخہ لفظ بہ لفظ آج کے متن سے ملتا جلتا ہے۔ صرف 5 فی صد

[a] Metzger, 86.

کا فرق ہے، اور وہ بھی صرف سہوِ کاتب اور املا کا فرق؛ معنی میں کوئی فرق نہیں۔

ہفتادی ترجمے کی تصدیق

ایک اور اہم گواہ اِن صحائف کا یونانی ترجمہ بنام ہفتادی ترجمہ ہے جو تیسری صدی قبل از مسیح سے شروع ہوا اور دوسری صدی قبل از مسیح مکمل ہوا۔ اِس کے بھی بہت سے قدیم نسخے قائم رہے ہیں۔ ایک بنام رائلینڈز پپائرس نمبر 486[a] دوسری صدی قبل از مسیح میں مرقوم ہوا۔

یہ ترجمہ عبرانی متن کی تصدیق کرتا ہے، کیونکہ اُس میں اور عبرانی اصل میں تھوڑا ہی فرق نظر آتا ہے۔

ابتدائی بزرگوں کی تصدیق

اِس ترجمے کے لاتعداد حوالجات ابتدائی بزرگوں کی کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ غرض اِس قدیم ترجمے سے بھی اِن صحائفت کی قدامت اور صحت ثابت ہوئی ہے۔

[a] Rylands Papyrus 486

اِن لاتعداد قدیم نسخوں کی بنا پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ کتابِ مقدّس کی موجودہ صورت قابلِ اعتبار ہے۔

کتابِ مقدّس کے یہ نسخے آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے دوران مشرقِ وسطیٰ کے مختلف ممالک سے ملے ہیں اور اب مختلف ممالک کی لائبریریوں اور عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ یہ نسخے مجموعی طور پر اِس بات کے زندہ گواہ ہیں کہ کتابِ مقدّس تحریف و تخریب سے قطعاً پاک ہے۔ اُنہوں نے سائنس کے اصولوں کی بنا پر اِن لاتعداد نسخوں کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کر کے اصل متن کی شکل یقینی بنا لیا ہے۔

اگر تحریف ہوئی ہوتی تو...

اگر فرض بھی کریں کہ تحریف کی گئی ہوتی تو سوال یہ ہے کہ یہ نام نہاد تبدیلی کس سے سرزد ہوئی، کب ہوئی، کیوں ہوئی، کہاں ہوئی اور کیونکر ہوئی؟

کون؟

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کون ہیں جو ایسے بڑے جرم کے مرتکب ہوئے؟ عموماً بتایا جاتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے مل کر یہ کام کیا۔ لیکن کیا یہ ہو سکتا ہے کہ دو ایسے مخالف فرقے باہم مل کر کلام اللہ میں ردّ و بدل کریں؟ اگر اتفاق الرائے سے نہیں بلکہ اپنی اپنی طرف سے ایسا کام کیا تو تاریخ اِس بارے میں کیوں خاموش ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لازمی تھا کہ یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ایک دوسرے کی بے ایمانی ظاہر کرتے۔

اگرچہ حضور المسیح نے کچھ یہودیوں کی منافقت کو خوب بے نقاب کیا (مثلاً متی باب 23) تو بھی آپ نے اُن پر یہ الزام کبھی نہیں لگایا کہ اُنہوں نے کتابِ مقدس میں رد و بدل کیا ہے۔ اِس کے برعکس آپ نے بار بار فرمایا کہ وہ اِن ہی نوشتوں کی طرف رجوع لائیں۔

اب باقی رہی عیسائی قوم، تو کیا یہ ممکن ہے کہ عیسائی اللہ تعالیٰ کی واضح تنبیہ کے باوجود بھی کلام اللہ میں تحریف کی جرأت کرسکیں؟ کیا وہ اِتنے ہی بے ایمان اور کج رَو ہیں کہ جان بوجھ کر پاک نوشتوں کو بگاڑیں؟ یہ بات بالکل

قابلِ تصورنہیں ہے کہ ایک شخص جس کتاب کو منجانب اللّٰہ مانتا اور اُس پر ایمان رکھتا ہو، اُسی میں تحریف و تبدل بھی کرے !!!

کب ؟

لیکن کوئی یہ کام کر بھی گیا ہو تو پھر یہ سوال اُٹھے گا کہ تحریف کب ہوئی ؟ کیا کتابِ مقدس آمدِ اسلام سے پہلے محرف ہو چکی تھی یا بعد میں ہو گئی ؟ اگر تحریف آمدِ اسلام سے پہلے ہوئی ہوتی تو قرآن شریف ایک محرف کتاب کی تصدیق کرتا۔ اِس کے برعکس قرآن شریف اہل اسلام کو تلقین کرتا ہے کہ

> فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلنا إِلَيكَ فَاسأَلِ الَّذينَ يَقرَءونَ الكِتابَ مِن قَبلِكَ ۚ لَقَد جاءَكَ الحَقُّ مِن رَبِّكَ فَلا تَكونَنَّ مِنَ المُمتَرينَ
>
> اب اگر تجھے اُس ہدایت کی طرف سے کچھ بھی شک ہو جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے تو اُن لوگوں سے پوچھ لے جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں فی الواقع یہ تیرے پاس حق ہی آیا ہے تیرے رب کی طرف سے، لہٰذا تُو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ (سورہ یونس آیت 94)

غرض، ثابت ہے کہ آمدِ اسلام کے زمانے میں کتابِ مقدس ہر قسم کی تحریف سے پاک تھی۔

باقی رہا یہ امکان کہ شاید آمدِ اسلام کے بعد تحریف ہوئی ہو تو عرض ہے کہ دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں کتابِ مقدّس کے ایک نہیں سینکڑوں نسخے اصل زبان میں اِس وقت موجود ہیں۔ کتابِ مقدس کے تمام ترجمے اِنہی پرانے نسخہ جات پر مبنی ہیں۔ چنانچہ ہم لازماً اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کتابِ مقدّس اپنی اصل حالت میں اب تک موجود ہے۔

کیوں؟

یہ سوال بھی قابلِ غور ہے کہ تحریف کرنے سے یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا اُلو سیدھا کرنا چاہا؟ وہ کام جس کا اُن پر الزام لگایا جاتا ہے اُنہوں نے کیوں کیا؟ اِس کے مختلف جواب دیئے جاتے ہیں، لیکن اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے قرآن شریف کی بشارت کو اپنے نوشتوں سے مٹانے کی خاطر یہ کام کیا۔

لیکن کیا یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ کوئی گروہ جس کا مقصد صرف یہی تھا کہ اِس قسم کے حوالہ جات اور اشارے مٹا ڈالے، اِتنا کچا کام کرتا

کہ اُن حوالہ جات کو باقی رہنے دیتا جن کا حوالہ اب تک اہلِ اسلام دیتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اِس دعویٰ کا حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں۔ اگر عیسائیوں یا یہودیوں کا یہ مقصد ہوتا تو وہ مکمل طور پر اپنا کام کر جاتے اور یوں اِس الجھن سے بچے رہتے۔

کہاں؟

لیکن اگر یہ دعویٰ مان بھی لیا جائے کہ کتابِ مقدّس میں تحریف ہو چکی ہے تو کیا مناسب نہیں کہ کتابِ مقدس کا وہ اصل نسخہ دکھایا جائے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اِس قسم کا کوئی مستند نسخہ موجود ہی نہیں۔

در اصل حضور المسیح پر کوئی انجیل نازل ہی نہیں ہوئی جیسا کہ اہلِ اسلام میں مشہور ہے اور نہ آپ نے کوئی انجیل تحریر کی یا لکھوائی۔ آپ تو خود مجسم کلام تھے، اور آپ کا ہر لفظ وحی کا درجہ رکھتا ہے۔ شاگردوں نے آپ کے فرمودات اور تعلیمات کو اُس زمانے کی ادبی اور عالم گیر زبان یونانی میں لکھا۔ ہمارے پاس اُن ہی ابتدائی یونانی مخطوطات کی نقلیں اور ترجمے ہیں۔

یہی حال اہلِ اسلام کا بھی ہے۔ ابتدا میں جن ہڈیوں، پتھروں، پتوں اور چمڑے کے پارچہ جات پر قرآن شریف لکھا گیا تھا وہ اب ناپید ہیں۔ مروجہ

قرآن اُنہی سے نقل کیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کا انحصار اُن اصل اور ابتدائی کتابوں کی محض نقل پر ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کا یہ دعویٰ کہ انجیلِ مقدس میں فلاں فلاں آیت ایسی نہیں بلکہ اِس طرح ہے یا فلاں لفظ ایسا نہیں اِس طرح ہے بالکل بے معنی ہے کیونکہ اُس کے پاس بھی صرف انجیل کی وہ شکل ہے جو سب کے پاس ہے۔

کیونکر؟

نہایت اہم سوال یہ بھی ہے کہ اگر توریت و انجیل وغیرہ حق تعالیٰ کا کلام ہیں تو قادرِ مطلق خدا نے اپنے لا تبدیل کلام کو کیونکر محرف ہونے دیا؟ کیا یہ بات ممکنات میں سے ہوسکتی ہے کہ جو بات مسلمان فخریہ طور سے ناممکن قرار دیتے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں نے کر دی؟ کیا دنیا کے خالق و مالک خدائے ذوالجلال نے عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھوں (نعوذ باللہ) شکست کھائی؟ کیا وہ اِتنے ہوشیار اور چالاک ثابت ہوئے کہ اُنہوں نے پاک کلام کے محافظِ اعلیٰ کو تحریف کی اُلجھن میں ڈال دیا؟ ایسے کفر آمیز نتیجے سے تو ہمارے معترضین بھی جھجکتے ہوں گے!

قرآن شریف کے قدیم نسخے کیوں نظر بند؟

آخر میں ہم اہلِ اسلام سے بھی ایک سوال پوچھنا چاہتے ہیں۔ کتابِ مقدّس کے تمام نسخے شائع ہوئے ہیں۔ ہر ایک اُن کو پرکھ کر اپنا اپنا نتیجہ نکال سکتا ہے، چاہے وہ ہندو ہو یا مسلم۔ اِس کے اُلٹ قران شریف کے قدیم نسخے نظر بند رکھے گئے ہیں، اورکسی کو اُن کا جائزہ لینے کی اجازت نہیں۔ استنبول کے توپ قابی محل میں پڑا قرآن کا قدیم نسخہ کیوں کسی کو دکھایا نہیں جاتا؟ قرآن شریف کے جو قدیم نسخے تاشقند، القاہرہ اور دمشق میں موجود ہیں اُن کو عوام کو کیوں دکھائے نہیں جاتے؟ کیا وجہ ہے کہ آج تک علما کو اُن کا جائزہ لینے کی اجازت نہیں؟

4 چوتھی غلط فہمی

عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کے پیروکار ہرگز تین خداؤں کو نہیں مانتے۔ وہ خدائے واحد کی جو تمام جہان کا خالق و مالک ہے پرستش کرتے ہیں۔ یوں توریت شریف میں لکھا ہے،

> تجھے یہ سب کچھ دکھایا گیا تاکہ تُو جان لے کہ رب خدا ہے۔ اُس کے سوا کوئی اَور نہیں ہے۔ (استثنا 35:4۔ دیکھئے 1 تیمتھیُس 5:2)

البتہ ہم ذاتِ خدا میں تین اقانیم باپ، فرزند اور روح القدس کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنے کے دو ذرائع ہیں۔ ایک اُس کی تخلیق ہے، کیونکہ ہر تخلیق اپنے خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ دوسرا اُس کا کلام ہے۔ یہ سب سے محکم ذریعہ ہے۔ آیئے ہم اِن دونوں ذرائع پر غور کر کے معلوم کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیسی ہے۔

تخلیق سے دلائل

ہر بنی ہوئی چیز میں اُس کے بنانے والے کی جھلک نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم مخلوق کو دیکھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُس کا خالق کیسا ہے۔ مثلاً اگر آپ غالب کے متعلق جاننا چاہیں تو آپ کیا کریں گے؟ آپ اُن کی تمام تصانیف کو پڑھیں گے۔ اِن سے اُن کے بارے میں بہت کچھ پتہ چلے گا۔ اِسی طرح اگر ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق جاننا چاہیں تو اُس کی تخلیق پر غور کرنے سے اُس کی جھلک نظر آئے گی۔ یوں لکھا ہے،

> جو کچھ اللہ کے بارے میں معلوم ہو سکتا ہے وہ تو اُن پر ظاہر ہے، ہاں اللہ نے خود یہ اُن پر ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ دنیا کی تخلیق سے لے کر آج تک انسان اللہ کی اَن دیکھی فطرت یعنی اُس کی ازلی قدرت اور الوہیت مخلوقات کا مشاہدہ کرنے سے پہچان سکتا ہے۔ (انجیلِ منورہ، رومیوں 1:19-20)

سورج

حق تعالیٰ کی ایک اعلیٰ تخلیق سورج ہے جس کا ہر شخص ہر روز مشاہدہ اور تجربہ کرتا ہے۔ آفتاب واحد ہے، لیکن اُس میں کثرت پائی جاتی ہے۔ پہلے، اُس میں روشنی ہے جو تمام جہان کو منور کرتی ہے۔ دوسرے، اُس میں گرمی یا قوت ہے جو زندگی بخشتی ہے۔ اِس کے بغیر کسی زندگی کا بحال رہنا ناممکن ہے۔ تیسرے، روشنی اور گرمی کے پیچھے کوئی شے ہے جسے سورج کہتے ہیں۔ یہ تینوں ایک ہیں اور علیٰحدہ نہیں۔ یہ اُس کے ذاتی جوہر ہیں، اور اُن کے باہمی اتحاد سے وہ سورج کہلایا۔ اگرچہ یہ جوہر باہم ایسے پیوست ہیں کہ اِن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، تاہم یہ اپنا الگ الگ اظہار کرتے ہیں۔ اگر اِن میں سے ایک بھی شاملِ حال نہ ہو تو سورج اپنی ذات میں نامکمل ہے بلکہ آفتاب کہلانے کا حق دار بھی نہیں۔ غرض ثابت ہے کہ سورج بھی تثلیثِ ذاتی کے بغیر کامل نہیں۔

انسان

مگر شاید یہ مثال اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں اِتنی موزوں نہیں، کیونکہ وہ ذی حیات ہے جبکہ سورج میں زندگی نہیں۔ غالباً انسان کی مثال جو کہ اللہ

تعالیٰ کی سب سے اعلیٰ تخلیق ہے اِسے بہتر طور پر بیان کرتی ہے۔ انسان واحد ہے، لیکن وہ روح، جسم اور جان پر مشتمل ہے۔ اگر اُنہیں الگ الگ کرنے کی کوشش کی جائے تو زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کیا روح انسان ہے؟ کیا جان انسان ہے؟ کیا بدن انسان ہے؟ نہیں، یہ سب مل کر انسان بنتا ہے۔ ایک میں تین ہیں اور تین میں ایک۔ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت۔

ایسی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور اگرچہ یہ ذاتِ باری تعالیٰ کو پورے طور پر بیان تو نہیں کرتیں تو بھی اِن سے اُس کی ذاتِ اقدس کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ غرض، اگر اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کثرت ہے تو یہ عین قابلِ تصور ہے کہ خالق کی وحدت میں بھی کثرت ہے۔

کلامِ خدا سے دلائل

جب توحید پر اِتنا زور دیا گیا ہے تو ہم کیوں تثلیث فی التوحید پر ایمان رکھتے ہیں؟ تثلیث فی التوحید کے عقیدے کی بنیاد کلامِ پاک ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

> مَیں ہی وہی ہوں۔ مَیں ہی اوّل و آخر ہوں۔...اور اب رب قادرِمطلق اور اُس کے روح نے مجھے بھیجا ہے۔
>
> (صحائفِ انبیا، یسعیاہ 16،12:48)

توریت، زبور اورصحائفِ انبیا میں تثلیث فی التوحیدکو اشارۃً بیان کیا گیا ہے، لیکن انجیل میں اِسے صاف طور سے ظاہر کیا گیا ہے۔ مثلاً حضور المسیح کے پتسمے کے وقت آپ پر روح کبوتر کی شکل میں نازل ہوا اور باپ کی آواز سنائی دی کہ

> یہ میرا پیارا فرزند ہے۔ (انجیلِ جلیل، متی 17-16:3)

اور جی اُٹھنے کے بعد آپ نے اپنے شاگردوں کوحکم دیا کہ ایمان لانے والوں کو

> باپ، فرزند اور روح القدس کے نام سے پتسمہ دو۔ (متی 19:28)

غورکریں کہ یہاں ”ناموں“سےنہیں بلکہ ”نام“سے پتسمہ دینے کو کہا گیا ہے۔ اِس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے واحد میں کثرت ہے۔
انجیل کے بہت سے حوالجات اِس کی تصدیق کرتے ہیں۔ مثلاً

- باپ خدا ہے

یوحنا 27:6؛ رومیوں 7:1؛ 1پطرس 2:1۔

- فرزند خدا ہے

یوحنّا 1:1، 14؛ کلسیّوں 9:2؛ عبرانیوں 8:1؛ یوحنّا 19:5-23۔

- روح القدس خدا ہے

اعمال 3:5-4؛ 1کُرِنتھیوں 16:3؛ 1پطرس 2:1۔

غرض ہم اپنے مشاہدے اورکتابِ مقدس کی تعلیم کی بنیاد پر ہی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی وحدت میں کثرت ہے۔

تثلیث کا راز

بے شک محدود انسان، لامحدود خدا کی ذاتِ اقدس کو پورے طور پر سمجھنے سے قاصر ہے۔ یوں لکھا ہے،

> کیا تُو اللہ کا رازکھول سکتا ہے؟ کیا تُو قادرِ مطلق کے کامل علم تک پہنچ سکتا ہے؟ وہ تو آسمان سے بلند ہے، چنانچہ تُو کیا

> کرسکتا ہے؟ وہ پاتال سے گہرا ہے، چنانچہ تُو کیا جان سکتا ہے؟
>
> (صحائفِ حکمت و زبور، ایوب 11:7-8)

انسان، اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف اُتنا ہی جان سکتا ہے جتنا کہ اُس نے اپنے بارے میں ظاہر کیا ہے۔ ہم ذاتِ الٰہی کے بھید کے بارے میں صرف اُن باتوں پر ہی ایمان رکھتے ہیں جو اُس نے خود اپنے کلام میں ہم پر ظاہر کی ہیں۔ جو کچھ ہم نہیں سمجھ سکتے اُسے ہم نہیں چھیڑتے۔

باپ، فرزند اور روح کے کام

تاہم ہم کلامِ خدا کی روشنی میں ہر اقنوم کے بارے میں بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا کام ہے۔

باپ ہر چیز کا سرچشمہ، سبب اور محرک ہے۔

- کائنات کا سرچشمہ

(1 کُرِنتھیوں 6:8؛ مکاشفہ 11:4)

- الٰہی انکشاف کا سرچشمہ

(مکاشفہ 1:1)

- نجات کا سرچشمہ

(یوحنّا 17-16:3)

- فرزند کے کاموں کا سرچشمہ

(یوحنّا 17:5؛ 10:14)

فرزند درجِ ذیل کام کرتا ہے۔

- کائنات کی تخلیق اور انتظام

(1 کُرِنتھیوں 6:8؛ یوحنّا 3:1؛ کلسیوں 17-16:1)

- الٰہی انکشاف

(یوحنّا 1:1؛ 16:12-15؛ متی 27:11؛ مکاشفہ 1:1)

- نجات

(2 کُرِنتھیوں 19:5؛ متی 21:1؛ یوحنا 42:4)

روح القدس درجِ ذیل کاموں کا ذریعہ ہے۔

- کائنات کی تخلیق اور انتظام کا ذریعہ

(پیدائش 2:1؛ ایوب 13:26؛ زبور 30:104)

- الٰہی انکشاف کا ذریعہ

(یوحنّا 16:12-15؛ افسیوں 5:3؛ 2پطرس 21:1)

- نجات کا ذریعہ (یوحنّا 6:3؛ طِطس 5:3؛ 1پطرس 2:1)

- فرزند کے کاموں کا ذریعہ

(یسعیاہ 1:61؛ اعمال 38:10)

عرض ہے کہ قاری خود اللہ کے کلام کو پڑھیں تاکہ وہ اِس بھید کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

5 پانچویں غلط فہمی

عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی نہیں۔ نہ کسی نے اُس کو جنا اور نہ کوئی اُس سے جنا گیا۔

فرزند دوسرے اقنوم کا لقب ہے

جو یہ اعتراض کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ حضور المسیح اُن معنوں میں اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں جیسے ہم اپنے والدین کے ہیں۔ ہم اِن معنوں میں حضور المسیح کو ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں مانتے۔ یہ ہمارے نزدیک کفر ہے۔ ہم آپ کو اِس لئے خدا کا فرزند مانتے ہیں کہ آپ ذاتِ الٰہی میں تثلیث کے دوسرے اقنوم ہیں۔

> یہ پیغام اُس کے فرزند عیسیٰ کے بارے میں ہے۔ انسانی لحاظ سے وہ داؤد کی نسل سے پیدا ہوا، جبکہ روح القدس کے لحاظ سے وہ قدرت کے ساتھ اللہ کا فرزند ٹھہرا جب وہ مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ یہ ہے ہمارے خداوند عیسیٰ مسیح کے بارے میں اللہ کی خوش خبری۔ (انجیل جلیل، رومیوں 1:3-4)

اِس لقب کا سب سے اہم مطلب یہی ہے۔ یہ دیگر کئی حوالہ جات میں بھی صاف صاف بیان کیا جاتا ہے (دیکھئے انجیلِ جلیل، متی 14:28-33؛ 16:16؛ 21:37-46؛ 22:41-46؛ 26:63)۔

انجیل جلیل کے اِن حوالہ جات سے صاف ظاہر ہے کہ حضور المسیح نے علانیہ طور پر کہا کہ آپ خدا کے فرزند ہیں اور خدا آپ کا باپ ہے۔ اِسی وجہ سے یہودی آپ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ یہودیوں نے کہا،

> ہم تم کو کسی اچھے کام کی وجہ سے سنگسار نہیں کر رہے بلکہ کفر بکنے کی وجہ سے۔ تم جو صرف انسان ہو اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ (یوحنا 10:33)

حضور المسیح نے دعویٰ کیا کہ وہ اور باپ ایک ہیں اور کہ وہ اُس میں سے نکل آئے ہیں۔ جب کبھی اُنہوں نے خود کو خدا کا فرزند یا خدا کو اپنا باپ کہا تو یہودیوں نے یہی سمجھا کہ وہ خود کو اللّٰہ تعالیٰ کے برابر بناتے ہیں (یوحنا 18:5؛ 19:4-7)، اِسی وجہ سے یہودیوں نے آپ کو صلیب بھی دی۔ ملاحظہ فرمائیں،

> مجلس نے جمع ہو کر اُسے یہودی عدالتِ عالیہ میں پیش کیا۔
> اُنہوں نے کہا،... "کیا تُو اللّٰہ کا فرزند ہے؟"
> اُس نے جواب دیا، "جی، تم خود کہتے ہو۔"
> اِس پر اُنہوں نے کہا، "اب ہمیں کسی اَور گواہی کی کیا ضرورت رہی؟ کیونکہ ہم نے یہ بات اُس کے اپنے منہ سے سن لی ہے۔" (انجیل جلیل، لوقا 22:66-67، 70-71)

حضور المسیح کے اِس دعوے میں کہ آپ اللّٰہ تعالیٰ کے فرزند ہیں ایک مخفی اشارہ تھا کہ آپ تثلیث فی التوحید کے اقنومِ ثانی ہونے کے باعث خدا ہیں، اور یہودی راہنما یہ خوب سمجھتے تھے۔ پھر آپ کے کام اور تعلیم بھی اِس کی تصدیق کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا،

> جس طرح باپ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اُسی طرح فرزند بھی جنہیں چاہتا ہے زندہ کر دیتا ہے۔ اور باپ کسی کی بھی عدالت نہیں کرتا بلکہ اُس نے عدالت کا پورا انتظام فرزند کے سپرد کر دیا ہے۔ (یوحنا 5:21-22)

عدالت کرنا اور زندگی بخشنا الٰہی کام ہیں۔ آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ کو اِن کاموں کو کرنے کا پورا اختیار حاصل ہے۔ یہ محض دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ آپ نے عملی طور پر بھی اِس کا اظہار کیا۔ مثلاً، مرقس 2:5-12 میں مرقوم ہے:

> عیسیٰ نے... مفلوج سے کہا، "بیٹا، تیرے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔"
>
> شریعت کے کچھ عالِم وہاں بیٹھے تھے۔ وہ یہ سن کر سوچ بچار میں پڑ گئے۔ "یہ کس طرح ایسی باتیں کرسکتا ہے؟ کفر بک رہا ہے۔ صرف اللہ ہی گناہ معاف کرسکتا ہے۔"
>
> عیسیٰ نے اپنی روح میں فوراً جان لیا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں، اِس لئے اُس نے اُن سے پوچھا، "تم دل میں اِس طرح کی باتیں کیوں سوچ رہے ہو؟ کیا مفلوج سے یہ کہنا آسان

> ہے کہ 'تیرے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں' یا یہ کہ 'اُٹھ، اپنی چارپائی اُٹھا کر چل پھر'؟ لیکن مَیں تم کو دکھاتا ہوں کہ ابنِ آدم کو واقعی دنیا میں گناہ معاف کرنے کا اختیار ہے۔" یہ کہہ کر وہ مفلوج سے مخاطب ہوا، "مَیں تجھ سے کہتا ہوں کہ اُٹھ، اپنی چارپائی اُٹھا کر گھر چلا جا۔"
>
> وہ آدمی کھڑا ہوا اور فوراً اپنی چارپائی اُٹھا کر اُن کے دیکھتے دیکھتے چلا گیا۔ سب سخت حیرت زدہ ہوئے اور اللہ کی تمجید کر کے کہنے لگے، "ایسا کام ہم نے کبھی نہیں دیکھا!"

یہودیوں کے دینی پیشواؤں نے درست کہا تھا کہ "صرف اللہ ہی گناہ معاف کرسکتا ہے۔"

حضور المسیح اِس بنا پر اللہ تعالیٰ کے فرزند نہیں کہ آپ دنیا میں پیدا ہوئے بلکہ اِس بنا پر کہ آپ تثلیث فی التوحید کے دوسرے اقنوم ہیں۔ آپ ازل سے فرزند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ زمین پر تھے تو آپ نے خود کو بطورِ پردیسی ظاہر کیا۔ آپ آسمانی ہیں جبکہ انسان زمینی ہیں۔ آپ کا وطن یہ دنیا نہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا،

> تم نیچے سے ہو جبکہ مَیں اوپر سے ہوں۔ تم اِس دنیا کے ہو جبکہ مَیں اِس دنیا کا نہیں ہوں۔ (یوحنا 23:8)

آپ باپ سے ہیں اور جیسے باپ ازلی اور ابدی ہے آپ بھی ازلی اور ابدی ہیں۔ اِسی وجہ سے آپ نے یہودی راہنماؤں سے کہا،

> ابراہیم کی پیدائش سے پیشتر 'مَیں ہوں' (یوحنا 58:8)

اور کہ

> مَیں اور باپ ایک ہیں۔... جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا ہے۔ (یوحنا 30:10؛ 9:14)

اِس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم حضور المسیح کو جانتے اور آپ پر ایمان لاتے ہیں تو حق تعالیٰ کو دیکھتے اور اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ دیگر الفاظ میں، جب ہم آپ کو جو آسمان سے ہیں اور ازلی ہیں دیکھتے ہیں تو ہمیں آپ میں اللہ تعالیٰ کا ظہور نظر آتا ہے۔ آپ مظہرِ خدا ہیں اور یہی فرزند کا مطلب ہے۔

انسان بننے کا بھید

حضور المسیح کا انسان بن کر دنیا میں آنا ایک بہت بڑا بھید ہے۔ بھید یہ ہے کہ فرزند کی ذاتِ اقدس میں خدائے قادر خود انسان بن گیا۔ اِس کے چند ایک پہلو ہیں۔

فرزند سے ذاتِ الٰہی کا انکشاف

یوحنا 1:1،14 میں مرقوم ہے،

> ابتدا میں کلام تھا۔ کلام اللہ کے ساتھ تھا اور کلام اللہ تھا۔... کلام انسان بن کر ہمارے درمیان رہائش پذیر ہوا اور ہم نے اُس کے جلال کا مشاہدہ کیا۔ وہ فضل اور سچائی سے معمور تھا اور اُس کا جلال باپ کے اکلوتے فرزند کا سا تھا۔

اہلِ اسلام بھی حضور المسیح کو "کلمتہ اللہ" یعنی خدا کا کلام کہتے ہیں۔ کسی شخص کا کلام یا منہ کی باتیں اُس کی سوچ اور شخصیت ظاہر کرتی ہیں۔ خدا کی ذات بھی اُس کے کلام یعنی توریت و انجیل وغیرہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اور

چونکہ المسیح خدائے قادر کے مجسم اور زندہ کلام ہیں اِس لئے ہم اُن پر غور کرنے سے اللہ کی الوہیت کے بھید کو کچھ نہ کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

انسان کو خدا سے ملانے کا واحد راستہ

اِس میں کوئی شک نہیں کہ خالق اور مخلوق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اِن دونوں کے درمیان گناہ کی ایک عظیم خلیج پڑی ہے۔ انسان اِس خلیج کو عبور کرنے نہیں پاتا، اِس لئے نہ تو وہ حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے قریب آ سکتا، نہ جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ ہر ایک جہنم میں جانے کا حق دار ہے۔
صرف ایک حل تھا، یہ کہ خدا حضور المسیح کی صورت میں انسان بن گیا تاکہ انسان اُس کے قریب آ کر جنت میں داخل ہو سکے۔ نہ ہمارے نیک کام اور نہ ہی کسی عظیم شخصیت ہماری سفارش کرکے ہمیں جہنم سے بچا سکتا ہے بلکہ صرف اور صرف وہ جو خود خدا کا دوسرا اقنوم ہے یہ کام ہماری خاطر کر سکتا تھا۔ آپ ہی نے اپنی جان دے کر اپنے اوپر وہ سزا اُٹھائی جس کے انسان حقدار ہے۔ یوں آپ نے انسان کو عدالت سے بچنے کا راستہ مہیہ کیا۔ جو بھی آپ پر ایمان لایا اُسے نجات حاصل ہے۔

انسان کی خاطر کامل خدا اور کامل انسان

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ الٰہی ذات اور انسانی ذات کا اجتماع کیونکر ممکن ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ انسان میں روح اور جسم یعنی فانی اور غیرفانی کا باہمی اجتماع کس طرح سے ممکن ہے؟ اگر فانی اور غیرفانی کا اِس طرح انسان میں باہم مل جانا ممکن ہے تو کیا ابدی خدا مجسم ہونے پر قادر نہیں تا کہ انسان کے گناہوں کی معافی کی راہ نکالنے کے مقصد کو پورا کر سکے؟ قادرِ مطلق خدا، تمام کائنات کا خالق و مالک اپنی لامحدود دانائی و پیش بینی سے جو کچھ چاہتا ہے اُسے عمل میں لانے پر قادر ہے۔ اگرچہ ہم اِن باتوں کو پورے طور سے سمجھ نہیں سکتے تاہم ہمارا اِن پر ایمان ہے۔ کیونکہ خدا نے اِن کو اپنے کلامِ پاک میں ظاہر کیا ہے۔

انجیلِ منورہ سے ہمیں یہ علم بھی حاصل ہوتا ہے کہ خداوند مسیح کی الٰہی ذات اور انسانیت میں ایسا رشتہ ہے کہ نہ تو انسانیت الوہیت میں تبدیل ہوتی ہے اور نہ الوہیت کا انسانیت کے ساتھ اختلاط ہونے کا امکان ہے۔ دو فطرتیں، الٰہی اور انسانی ایک ایسے لاثانی اور ناقابلِ فہم رشتے میں بندھ گئی ہیں جو باہم مل کر ایک ذات بن گئی ہیں، جس میں ایک ہی قوتِ مُتخیلہ اور

قوتِ اِرادہ ہے۔ یہ قوتِ مُتخیلہ اور قوتِ اِرادہ باہم انسانی اور الٰہی دونوں صفات کا مجموعہ ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ حضور عیسیٰ مسیح کامل انسان اور کامل خدا ہیں۔ کامل انسان کی صورت میں آپ بالکل بے گناہ تھے اور ہمیشہ ایسے کام کرتے تھے جو آپ کے آسمانی باپ کو پسند آتے تھے۔ الوہیت کی پوری معموری رکھتے ہوئے اور زندگی کے بانی ہونے کے باعث ممکن نہ تھا کہ آپ موت کے قبضے میں رہتے۔ یوں زندگی کے شاہزادے تیسرے دن موت اور عالمِ ارواح کی کنجیاں اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے مُردوں میں سے جی اُٹھے۔ موت پر فتح مند ہو کر اب آپ اُن سب کو جو آپ پر ایمان لاتے ہیں، مُردوں میں سے زندہ کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ رکھیں گے۔

انسان کو نجات دینے کی واحد ہستی

فرزند کا جو لقب حضور المسیح کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اُسے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں سمجھنا چاہیئے۔ اُسے کسی صورت میں بھی نفسانی، دنیوی اور جسمانی معنوں میں نہیں لینا چاہیئے۔ خدا فرزند ازل سے ایسا ہی چلا آتا ہے اور خدا باپ اور خدا روح القدس کے ساتھ ذات و صفات اور ابدیت میں برابر

ہے۔ اُسی کے وسیلے سے سب چیزیں پیدا ہوئیں، اور جب وقت پورا ہو گیا تو آپ خدا باپ کی معرفت ایک عورت سے پیدا ہونے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے تاکہ آپ اُس بدن کو اختیار کریں جو آپ کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ انجیلِ منورہ میں مرقوم ہے،

> جب مقررہ وقت آ گیا تو اللہ نے اپنے فرزند کو بھیج دیا۔ ایک عورت سے پیدا ہو کر وہ شریعت کے تابع ہوا۔ (گلتیوں 4:4)

آپ اپنی جان کو فدیہ میں دے کر اُن کو چھڑانے کے لئے آئے جو گناہ کرنے کی وجہ سے موت کی سزا کے ماتحت تھے۔ اللہ تعالیٰ کو انسان سے کیسی محبت ہے کہ وہ اُس کی خاطر اِتنا کچھ کرنے کے لئے تیار تھا۔

> اللہ نے دنیا سے اِتنی محبت رکھی کہ اُس نے اپنے اکلوتے فرزند کو بخش دیا، تاکہ جو بھی اُس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ابدی زندگی پائے۔ کیونکہ اللہ نے اپنے فرزند کو اِس لئے دنیا میں نہیں بھیجا کہ وہ دنیا کو مجرم ٹھہرائے بلکہ اِس لئے کہ وہ اُسے نجات دے۔ جو بھی اُس پر ایمان لایا ہے اُسے مجرم نہیں قرار

> دیا جائے گا، لیکن جو ایمان نہیں رکھتا اُسے مجرم ٹھہرایا جا چکا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے اکلوتے فرزند کے نام پر ایمان نہیں لایا۔ (یوحنا 3:16-18)